محمد الیاس خان

پائپ لائن سیاست: امریکی موقف میں تبدیلی

امریکہ نے ترکمنستان سے ایران کے راستے ترکی تک ۱ء۶ بلین ڈالر لاگت سے تعمیر کی جانے والی دو ہزار میل لمبی گیس پائپ لائن کی تعمیر کے منصوبے کی مخالفت نہ کرنے کا عندیہ دے دیا ہے۔ امریکہ کا یہ فیصلہ خطّے سے متعلق امریکی پالیسی میں تبدیلی کا مظہر ہے۔ پائپ لائن کی تعمیر کے مجوّزہ منصوبے کے تحت ترکمانستان سے قدرتی گیس ایران کے راستے ترکی کو برآمد کی جائے گی۔ جہاں سے مستقبل میں اس پائپ لائن کو یورپ تک توسیع دی جائے گی۔ امریکہ خطّے میں ایران کو حریف سمجھتا رہا ہے اور اس سے قبل اس طرح کے منصوبوں کی نہ صرف مخالفت کرتا رہا ہے بلکہ ان پر کام کرنے کی خواہش ظاہر کرنے والی کمپنیوں کے خلاف پابندیاں عائد کرنے کی دھمکیاں بھی دیتا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایران کے راستے ترکی تک ترکمن گیس کی ترسیل کے لیے پائپ لائن کی تعمیر کے اس مجوّزہ منصوبے کی مخالفت نہ کرنے کے حالیہ امریکی فیصلے کی پشت پر کیا عوامل کار فرما ہیں؟ امریکہ ایک عرصہ تک وسطی ایشیا سے گیس اور تیل کی ترسیل کے لیے افغانستان اور پاکستان کے راستے پائپ لائنوں کی تعمیر کے منصوبوں کی حمایت کرتا رہا ہے۔ اور وسطی ایشیا کے قدرتی وسائل سے ایران کے استفادے کی ہر شکل کی مخالفت کرتا رہا ہے۔ مگر افغانستان میں خانہ جنگی ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں آڑے آتی رہی ہے۔ افغانستان میں مستقبل قریب میں بھی امن و استحکام کی بحالی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ علاوہ ازیں ایران میں آیت اللہ خاتمی —— جو قدرے اعتدال پسند خیال کیے جاتے ہیں —— عہدۂ صدارت پر براجمان ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں امریکہ نے ایران کے بارے میں نرم رویّہ اختیار کرنے کا عندیہ دے دیا ہے۔ ممکن ہے امریکہ کا یہ فیصلہ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہو۔

تاہم لگتا ہے امریکی فیصلہ ایران دوستی کے بجائے بعض دیگر اقتصادی عوامل کا نتیجہ ہے۔ ترکی امریکہ کا حلیف ہے اور اس کی اقتصادی ضروریات کی اس طرح سے تکمیل کہ مغرب و امریکہ کو اس کی کوئی قیمت ادا نہ کرنی پڑے بلکہ جس کے باعث —— مستقبل میں —— خود ان کی اقتصادی خوشحالی کا دروازہ وا ہوتا ہو امریکی ترجیحات میں شامل ہے۔ دوسری طرف وسط ایشیائی ریاستوں کی طرف سے اپنے وسائل

توانائی کی برآمد جلد از جلد یقینی بنانے کے لیے (افغانستان اور پاکستان کے راستے کی بجائے) متبادل گزرگاہوں کی دریافت کی شدید خواہش کی تکمیل میں مسلسل روڑے اٹکانے کے عمل کے طویل مدتی منفی اثرات امریکیوں نے محسوس کرنا شروع کر دیے ہیں۔ اُنہیں خدشہ ہے کہ ایران کے راستے وسطی ایشیا کے وسائل توانائی کی برآمد کی امریکی مخالفت خطّے میں امریکہ کے لیے منفی جذبات پیدا کر سکتی ہے جس کے نتیجے میں خطّے سے وابستہ امریکی مفادات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ واشنگٹن اس خطّے کے ساتھ براہ راست تجارتی روابط کا خواہشمند ہے۔ وہ کسی بھی صورت میں قفقاز اور وسطی ایشیا کی ریاستوں سے بے اعتنائی برتنے کا متحمل نہیں ہے۔ امریکی سینیٹر سام براؤن بیکر کے بقول:

"جنوبی قفقاز کا خطہ اور وسطی ایشیا کے ممالک تاریخ کے اہم موڑ سے گزر رہے ہیں۔ وہ گزشتہ سوسالوں کے دوران پہلی بار آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ عصر حاضر کی اہم طاقتوں کے سنگم پر واقع ہیں۔ اور قدرتی دولت سے مالامال ہیں"۔

امریکہ کی طرف سے ترکمنستان سے ایران کے راستے ترکی تک پائپ لائن کی تعمیر کے منصوبے کی مخالفت نہ کرنے کے فیصلے سے — بعض پاکستانی حلقوں کے مطابق — بظاہر پاکستان کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا احتمال پیدا ہو گیا ہے۔ ان حلقوں کے مطابق پاکستان وسط ایشیائی وسائل توانائی کی اپنی سرزمین کے راستے ترسیل کا خواہشمند تھا اور خیال یہ کیا جارہا تھا کہ اس سلسلے میں اسے مغرب و امریکہ کی پشت پناہی اور تائید حاصل ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ امریکہ - ایران تعلقات کے حوالے سے یہ "نئی پیش رفت" وسطی ایشیا میں پاکستان کے اقتصادی مفادات پر منفی اثرات مرتب کرے گی تو بھی اسلام آباد کو اس "نئی پیش رفت" کے لیے ساز گار حالات پیدا کرنے میں معاون کا کردار ادا کرنے کی ذمہ داری سے مبرا نہیں قرار دیا جاسکتا۔ وسطی ایشیا اور افغانستان کے سلسلے میں پاکستان کی خارجہ پالیسی تضادات کا شکار رہی ہے۔ اسلام آباد نہ تو افغانستان میں برسرپیکار متحارب گروہوں کے مابین سیاسی تصفیہ کرانے میں کامیاب ہو سکا ہے اور نہ ہی وہاں اپنی مرضی کے گروہ اور دھڑے کو دوسروں پر بزور طاقت مسلّط کرنے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کر سکا ہے۔

پاکستانی خارجہ پالیسی کی ان ناکامیوں کی بدولت افغانستان بدستور جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ اور نتیجتاً افغان سرزمین کے راستے پاکستان تک وسطی ایشیا سے پائپ لائنوں کی تعمیر کے منصوبے تاہنوز خواب لگتے ہیں۔ یہ پاکستان کی ناقص خارجہ پالیسی ہی کا نتیجہ ہے کہ امریکہ اور وسطی ایشیائی ریاستوں نے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے مشرق کی بجائے مغرب کا رُخ کرلیا ہے۔ چنانچہ امریکہ کو یہ کہنا پڑا کہ وہ تین یورپی تیل کمپنیوں پر مشتمل کنسورشیم کو ترکمانستان میں بحیرۂ کیسپیئن کے سواحل سے شمالی ایران کے ۷۸۵ میل طویل علاقے سے ہوتی ہوئی ترکی تک کل دو ہزار میل لمبی پائپ لائن کی تعمیر کے منصوبے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اگرچہ سردست وسط ایشیائی وسائل توانائی کی

یورپ تک ترسیل کے لیے ایران کی جغرافیائی اہمیت کو تسلیم کرنا ایک آزمائشی اقدام ہے مگر توقع یہی ہے کہ نو منتخب ایرانی صدر آیت اللہ خاتمی اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ کے بارے میں اپنے موقف میں کسی حد تک نرمی پیدا کر لیں گے۔ نتیجتاً مجوزہ پائپ لائن پر کام شروع ہو سکے گا۔ یہ پائپ لائن ترکی میں بحیرۂ روم کے ساحل تک تعمیر کی جائے گی جسے بالآخر یورپ تک توسیع دے دی جائے گی۔ مجوزہ پائپ لائن کی تعمیر تین یورپی کمپنیوں پر مشتمل ایک کنسورشیم کرے گا۔ یہ کمپنیاں اٹلی کی سنام پروگیٹی، فرانس کی گیس ڈی فرانس اور ہالینڈ کی رائل ڈچ شیل ہیں۔ موبل سمیت دیگر اہم امریکی کمپنیوں کی اس کنسورشیم میں شرکت متوقع ہے۔ ایران میں تیل اور گیس کے بنیادی ڈھانچے کی موجودگی اور وسطی ایشیا سے خلیج اور یورپ تک مختصر ترین گزرگاہ فراہم کرنے کے ایرانی محل وقوع کی بنا پر مغربی تیل کمپنیاں وسط ایشیائی تیل اور گیس کی ترسیل کے لیے افغانستان - پاکستان راستے کی بجائے ایرانی روٹ کو ترجیح دیتی رہی ہیں۔ تاہم اب تک امریکی پابندیوں کے خوف کے باعث تیل اور گیس کی کثیر ملکی کمپنیاں ایران کے راستے پائپ لائنوں کی تعمیر کے منصوبوں کی تجاویز قبول کرنے سے ہچکچاتی رہی ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ مجوزہ پائپ لائن کے ذریعے جو گیس برآمد کی جائے گی وہ دراصل ایرانی گیس ہوگی کیونکہ ترکمنستان اور ایران کے درمیان تبادلۂ گیس کے ایک معاہدے کے تحت ترکمانستان اپنی گیس شمالی ایران کے گیس پائپ لائن نیٹ ورک میں پمپ کرے گا۔ جبکہ ترکی تک بچھائی جانے والی پائپ لائن میں ایرانی گیس برآمد کی جائے گی۔ امریکی عہدے داروں کا کہنا ہے کہ واشنگٹن کی بنیادی دلچسپی ترکی کی توانائی کی ضروریات کی تکمیل اور اقتصادی بحران سے دوچار ملک ترکمانستان کی تیل اور گیس کی عالمی منڈی کو برآمد یقینی بنانا ہے۔ علاوہ ازیں مجوزہ گیس پائپ لائن روسی اثر و نفوذ کے خطے سے باہر ہوگی اور نتیجتاً امریکہ اور یورپ کو براہ راست روسی مداخلت سے ماوراء خطے میں بچھائی گئی پائپ لائن کے ذریعے وسطی ایشیا کے وسائل توانائی تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔ روس قبل ازیں متبادل راستوں سے پائپ لائنوں کی تعمیر کے منصوبوں کے نتیجے میں روسی معیشت کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کا مطالبہ کرتا رہا ہے۔ گزشتہ چھ سال تک وہ شیوران اور دیگر ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرف سے قازقستان اور ترکمانستان سے تیل کی ترسیل کی کوششوں میں روڑے اٹکاتا رہا ہے۔

جولائی کے آغاز میں وسطی ایشیا سے متعلق اہم پالیسی بیان جاری کرتے ہوئے امریکی نائب وزیر خارجہ سٹروب ٹالبوٹ نے کہا کہ امریکہ وسطی ایشیا میں "گریٹ گیم" کے احیاء میں ملوث نہیں ہے اور نہ ہی امریکہ روس یا دیگر طاقتوں کے خلاف صف آرائی کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہے۔ تاہم امریکی خارجہ پالیسی میں حالیہ تبدیلی خطے میں روسی اثر و نفوذ کو کم کرنے، امریکی کمپنیوں کو خطے کی اقتصادی سرگرمیوں میں براہ راست ملوث کرنے اور وسط ایشیائی وسائل توانائی پر بلاواسطہ کنٹرول حاصل کرنے

کے امریکی عزائم کی آئینہ دار ہے۔ عین ممکن ہے کہ آنے والے چند سالوں میں امریکی سرمایہ کار خطّے کی معیشت پر اپنا قبضہ مستحکم کرلیں گے اور خطّے میں امریکہ کے تزویراتی مفادات کی نگرانی کے فرائض کی انجام دہی بھی ان ہی کے ذریعے ہوگی۔

گزشتہ چند سالوں سے کلنٹن انتظامیہ کی خارجہ پالیسی میں وسطی ایشیا کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔ ۲۸ جولائی ۱۹۹۷ کو امریکی انتظامیہ نے ولیم کورنٹے کو جو پہلے قازقستان اور آج کل جارجیا میں بطور سفیر متعین ہیں، روس، یوکرین اور دیگر یوریشیائی معاملات کے لیے صدر کلنٹن کا معاون خصوصی مقرر کیا۔ کورنٹے اعلیٰ پائے کے زیرک سفارت کار ہیں۔ اُنہیں وسط ایشیائی اُمور کا ماہر مانا جاتا ہے۔ سٹروب ٹالبوٹ کے برعکس کورنٹے وسطی ایشیا میں ماسکو نواز پالیسیوں کو خیر باد کہنے کے علمبردار ہیں۔ ممکن ہے وسطی ایشیا سے متعلق امریکی پالیسی میں حالیہ تبدیلی کورنٹے کی کاوشوں کا شاخسانہ ہو۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ آذر بائیجان کے صدر امریکی کانگرس میں آرمینیا کے حامی طاقتور دھڑے کی موجودگی کے باوجود جولائی کے آخری ہفتے میں امریکہ کے دورے پر گئے۔ بحیرۂ کیسپین کے آذری سواحل میں تیل کے وسیع ذخائر کے باعث آذر بائیجان مغربی تیل کمپنیوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ آذر بائیجان کے تیل کے ذخائر کو ترقی دینے اور ان کے اخراج کے لیے تیرہ کثیر ملکی کمپنیوں پر مشتمل ایک کنسورشیم تشکیل دیا گیا ہے۔ اس کنسورشیم میں شامل مغربی تیل کمپنیوں ہی کی درپردہ کوششوں کے نتیجے میں آذری صدر حیدر علییف کا دورۂ امریکہ ممکن ہوسکا ہے۔

۱۹۹۱ء میں وسط ایشیائی ریاستوں کی آزادی کے بعد سے ہی پاکستان کی کوشش رہی ہے کہ اسے وسطی ایشیا میں مغربی سرمایہ کاری، تجارتی سرگرمیوں اور خطّے کے لیے اقتصادی امداد کے بہاؤ کی اہم گزرگاہ کی حیثیت حاصل ہو۔ تاہم پاکستان افغانستان میں طالبان کی مبیّنہ پشت پناہی کے باوجود تاہنوز اپنی اہم جغرافیائی و تزویراتی محل وقوع کا فائدہ نہیں اٹھا سکا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں مجاہدین کے ہاتھوں سقوط کابل کے بعد سے پاکستان وسطی ایشیا میں اپنے تزویراتی مفادات کے تحفّظ کو پیشِ نظر رکھ کر متحارب افغان دھڑوں میں صلح اور جنگ بندی کرانے میں مسلسل ناکام رہا ہے۔ اس دوران متعدّد وجوہات کی بناء پر افغانستان میں خانہ جنگی کو دوام حاصل ہوا۔ اور وسطی ایشیا کے ساتھ افغانستان کے راستے تجارتی روابط کے قیام کے پاکستانی منصوبے مسلسل التواء کا شکار ہوئے۔ پچھلے کچھ عرصہ سے مبیّنہ طور پر اسلام آباد نے وسطی ایشیا میں اپنے اقتصادی مفادات کے حصول کے لیے طالبان ملیشیا کو شریک کار کے طور پر منتخب کرلیا ہے۔ ایک عرصہ تک واشنگٹن بھی طالبان سے یک جہتی کا اظہار کرتا رہا۔ اور ترکمنستان سے افغانستان کے راستے پاکستان تک گیس اور تیل کی پائپ لائنوں کی تعمیر کی کوششوں کی نہ صرف حمایت کرتا رہا بلکہ ان مجوّزہ پائپ لائنوں کی تعمیر کے ٹھیکے امریکی کمپنی یونوکال کو دلانے کے لیے زبردست سفارتی کوششوں میں مصروف رہا۔ تاہم یوں لگتا ہے کہ طالبان اسلام آباد اور واشنگٹن کی بالادست

حیثیت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ طالبان کی آزادانہ پالیسیوں اور امریکی کمپنی یونوکال کی بجائے ارجنٹائن کی کمپنی بریداس کے ساتھ افغان سرزمین میں پائپ لائن بچھانے کے لیے سمجھوتہ کرنے کے باعث امریکہ ان سے مایوس ہوگیا ہے۔

ایران کے راستے ترکی تک پائپ لائن کی تعمیر کے مجوزہ منصوبے کے لیے امریکی حمایت واشنگٹن کی طرف سے اسلام آباد کے لیے ایک اہم پیغام کی حیثیت رکھتی ہے۔ امریکہ پاکستان کو یہ عندیہ دینا چاہتا ہے کہ موجودہ حالات میں وہ وسط ایشیائی وسائل توانائی کی بیرونی منڈیوں تک ترسیل کو صرف افغانستان اور پاکستان کے راستے محدود رکھنے کے حق میں نہیں رہا ہے۔

تاہم ایسا بھی نہیں ہے کہ ایران کے راستے پائپ لائن کی تعمیر کے مجوزہ منصوبے کی تکمیل سے پاکستان کی اہمیت کم ہو گئی ہے۔ دراصل وسط ایشیائی ریاستوں کو بین الاقوامی مارکیٹ تک رسائی کے لیے ایک سے زائد راستوں کی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں امریکی کانگریس میں ابھی تک کچھ لوگ وسطی ایشیا کے ساتھ تجارتی روابط کی بحالی کے لیے شاہراہ ریشم سے منسلک ممالک کی اہمیت پر زور دے رہے ہیں۔ امریکی سینیٹر سام براؤن بیک نے ۲۱ جولائی ۱۹۹۷ء کو واشنگٹن میں ہریٹج فاؤنڈیشن میں خطاب کے دوران شاہراہ ریشم کی گزرگاہ کے ممالک کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا:

> "امریکہ کو قدیم شاہراہ ریشم کے ممالک کی اقتصادیات کی بحالی کے لیے مثبت اور فعال کردار ادا کرنا چاہیے جو آج کی طرح ماضی میں بھی وسطی ایشیا اور جنوبی قفقاز کے لیے اقتصادی شہ رگ اور یورپ اور مغرب تک مالِ تجارت کی نقل و حرکت کا ذریعہ رہی ہے"۔

جنوبی ایشیا، چین اور مشرق بعید میں وسط ایشیائی وسائل توانائی کی مانگ روز افزوں ہے۔ چنانچہ ابھی تک مشرق کی سمت پائپ لائنوں کی تعمیر کی اہمیت مسلمہ ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ پاکستان اپنی خارجہ پالیسی کا ازسرِنو جائزہ لے اور افغانستان میں جلد از جلد قیام امن کے لیے تمام متحارب گروہوں کو مذاکرات کی میز پر لائے۔ افغانستان میں قیامِ امن پاکستان کی اقتصادی ترقی کی کلید ثابت ہو گا۔ اور افغانستان میں قیامِ امن کی کلید اسلام آباد کے پاس ہے۔ البتہ اس کلید کے استعمال کے لیے زبردست سفارتی صلاحیتیں درکار ہوں گی۔ اسلام آباد پُر مہارت سفارت کاری کا مظاہرہ کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ پاکستان اور دیگر پڑوسی ممالک کی تقدیر بدلنے میں ناکام ہو۔ ماہرانہ سفارت کاری کے مظاہرہ ہی کی بدولت ماضی میں پاکستان گزشتہ نصف صدی سے کارفرما دو قطبی عالمی نظام کے خاتمہ اور کرۂ ارض کا نقشہ تک بدلنے میں کامیاب رہا تھا۔